برطانیہ کی ”شریف“

تحریر: سہیل احمد لون

برطانیہ کے گزشتہ انتخابی مہم کے دوران کیے گئے وعدے کو پورا کرنے کی خاطر سابق وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کو BREXIT کے لیے عوامی رائے لینے کے لیے ریفرنڈم کروانا پڑا۔ جس کے نتائج آنے کے بعد ڈیوڈ کیمرون اخلاقی طور پر اپنے عہدے سے مستعفی ہوگئے ملک کے دلیس کی باگ ڈور اس وقت کی ہوم سیکریٹری مادام تھریامئے نے سنبھال لیں۔ برطانیہ کے یورپی یونین سے نکلنے کے لیے آرٹیکل 50 کو ٹریگر کرنے کے ساتھ ہی انہوں نے اس معاملے پر عوامی مینڈیٹ دوبارہ لینے کے لیے برطانیہ میں 8 جون کو عام انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا۔ انتخابی نتائج آنے کے بعد صورت حال کچھ یوں بنی کہ کنزرویٹو پارٹی نے پارلیمنٹ میں اپنی اکثریت کھو دی۔ یعنی اس نے 650 میں سے 318 نشستیں حاصل کیں اس طرح اس کو 13 سیٹوں سے محروم ہو کر کسی دوسری سیاسی جماعت سے اتحاد کر کے حکومت بنانے کے آپشن پر غور کرنا پڑا۔ اس کے برعکس لیبر پارٹی نے نہ صرف ووٹ بینک بڑھایا بلکہ اپنی سیٹوں میں 32 کا اضافہ کر کے اس کو 262 تک پہنچا دیا۔ لبرل ڈیموکریٹس کو بھی یہ انتخابات راس آئے اور انہوں نے بھی اپنی سیٹوں میں 3 کا اضافہ کر کے اسے 12 تک لے گئے۔ گزشتہ انتخابات میں 54 سیٹیں لینے والی سکاٹش نیشنل پارٹی کو 19 سیٹوں سے ہاتھ دھونا پڑا جبکہ ناردرن آئرلینڈ کی DUP نے 10 سیٹیں جیت کر MQM کی یاد تازہ کر دی۔ اینٹی مسلم اور اینٹی امیگرینٹس پارٹی UKIP کے ساتھ سب سے بری ہوئی وہ ایک بھی سیٹ جیتنے میں ناکام رہی اور اس کے ووٹ بینک میں بھی واضح کمی نظر آئی جس سے عوام نے یہ ثابت کر دیا کہ برطانیہ تمام مذاہب اور مختلف علاقوں کے لوگوں کے لیے آج بھی بہترین جگہ ہے۔ حالیہ انتخابات میں بڑے بڑے سیاسی برج بھی الٹ گئے جن میں لبرل ڈیموکریٹس کے سابق رہنماء اور سابق ڈپٹی پرائم منسٹر Nick Clegg، سکاٹش نیشنل پارٹی اور ویسٹ منسٹر کے لیڈر Angus Robertson، سکاٹش نیشنل پارٹی کے سابقہ لیڈر Alex Salmond، کنزرویٹو پارٹی کے ہاؤسنگ منسٹر Gavin Barwell، کنزرویٹو پارٹی کی گزشتہ تیس برس سے Kent سے نمائندگی کرنے والے Sir Julian Brazier، کنزرویٹو پارٹی کا منشور لکھنے والے Ben Gummer، کنزرویٹو پارٹی کی فنانس سیکریٹری Jane Ellison، کنزرویٹو پارٹی کے کلچر میڈیا اور سپورٹس منسٹر Rob Wilson، کنزرویٹو پارٹی کی ہیلتھ منسٹر Nicola Blackwood، کنزرویٹو پارٹی کے سابقہ پاور ہاؤس منسٹر James Wharton، کنزرویٹو پارٹی کے اکنامک سیکریٹری Simon Kirby وغیرہ شامل ہیں۔ حالیہ انتخابات کے نتائج سے ایک بات تو صاف ظاہر ہے کہ اس میں حکومتی جماعت کو نہ صرف اپنی اکثریت سے ہاتھ دھونا پڑے بلکہ اس کو اخلاقی شکست کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ لیبر پارٹی کے رہنماء جرمی کوربن نے تھریامئے سے استعفٰی کا مطالبہ بھی اسی بنیاد پر کیا مگر تھریسامئے بھی ولایت کی ”شریف“ نکلیں اور انہوں نے DUP کے ساتھ اتحاد کر کے حکومت بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ حکومت تو پہلے بھی کر رہی تھیں اور واضح اکثریت کے ساتھ یو پھر جس مقصد

کے لیے اتنا پیسہ خرچ کر کے عام انتخابات کروائے گئے اس میں تو وہ بری طرح نا کام ہوئیں اس سے بہتر تھا کہ وہ خاموشی سے اپنی آئینی مدت ہی پوری کر لیتیں۔ایک سیاسی جماعت کو ساتھ ملا کر حکومت بنانا تو آسان ہے مگر اس سے ڈیل کیا ہوتی ہے اور اس کا کس کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟ کیا DUP بھی devolution کا مطالبہ کر کے ناردرن آئرلینڈ کے لیے کچھ لینے میں کامیاب ہوگی؟ تھریسا مئے کے پاس چند آپشنز ہیں جن میں پہلی یہ ہے کہ لیبر پارٹی اور دیگر سیاسی جماعتوں کو آن بورڈ لیکر Brexit کے معاملے میں برسلز میں بات چیت کا آغاز کیا جائے جسے ہارڈ Brexit کے طور پر دیکھا جائے گا، دوسری صورت میں یوپین سنگل مارکیٹ میں رہتے ہوئے امیگریشن کی فری موومنٹ پر پابندیاں لگانا جسے سافٹ Brexit بھی کہا جاتا ہے، تیسری صورت میں یورپین یونین سے کسی اچھی یا بری ڈیل کرنے کی بجائے بالکل الگ ہو جائے اسے کریش Brexit کہا جاتا ہے، چوتھی صورت وہ ہے جس پر ڈنمارک ،ناروے، اور سویٹزرلینڈ وغیرہ پہلے سے یورپین یونین میں شامل ہیں اس کے لیے یورپین فری ٹریڈ ایسوسی ایشن کا ممبر بننا ہوگا۔اس کے علاوہ آخری چارہ ایک اور ریفرنڈم کا ہی رہ جاتا ہے۔یورپین یونین سے نکلنا اور کونسی ڈیل کے ساتھ نکلنا اس وقت حکومت کا بہت بڑا مسئلہ ہوگا۔یاد رہے کہ یورپین یونین سے نکلنے کے بعد سکاٹش ریفرنڈم بھی ہو سکتا ہے اور اس کے بعد ناردرن آئرلینڈ بھی اسی راستے کا مسافر بن کر برطانیہ کو انگلینڈ اور ویلز تک محدود کر سکتا ہے۔حالیہ انتخابی مہم کے دوران برطانیہ میں دہشت گردی کے واقعات بھی ہوئے جس پر تھریسا مئے کا ردعمل وہی تھا جو ڈونلڈ ٹرمپ کا ہو سکتا تھا شاید ایک ہی سکول آف تھاٹ کا ہونے کی وجہ سے ڈونلڈ ٹرمپ نے تھریسا مئے کو سب سے پہلے مبارکباد کا پیغام بھی دیا۔شاید وہی سکول آف تھاٹ ٹرمپ کو سب سے پہلے سعودی عرب کے دورے پر بھی لے گیا۔اس کے برعکس لیبر پارٹی کے سربراہ جرمی کوربن نے وہ بیان دیا جسے کوئی مسلمان ملک کا سربراہ بھی کہتے ہوئے کئی بار ضرور سوچتا۔کوربن نے دہشت گردی کے واقعات کو اپنی غلط خارجہ پالیسی کا نتیجہ قرار دیا۔جسے نوجوانوں کی اکثریت نے کوربن کو 73 فیصد ووٹ دے کر اس کی حمایت کا اعلان کیا۔اس کے علاوہ لیبر پارٹی کے منشور میں سستی ہاوسنگ سکیم اور ٹیوشن فیس میں واضح کمی اور Minimum wages کو بھی بڑھانا شامل تھا۔برطانیہ میں ووٹر کی زیادہ تعداد 35 برس سے زیادہ لوگوں کی ہے یوں برطانیہ کے مستقبل یعنی ان کی یوتھ کا مستقبل بوڑھے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جس نے Brexit میں بھی اپنی "خودمختاری" کی مہر لگا کر ان کے خودمختار ہونے سے روک دیا۔35 برس سے زائد برطانوی باشندوں کی اکثریت کے پاس اپنے گھر بھی ہیں اور اچھا کما بھی رہے ہیں اور وہ اپنی پڑھائی بھی مکمل کر چکے ہیں مگر وہ اپنی آنے والی نسل کا کیوں نہیں سوچتے؟ کیا نوجوان نسل پر لگنے والا پیسہ مشرق وسطی سمیت ایشائی ممالک میں جنگ و جدل پر لگانا نوجوانوں سمیت برطانیہ کے مستقبل کے ساتھ بھی زیادتی نہیں؟ Brexit کے ریفرنڈم کے بعد جو حال پاؤنڈ کا ہو چکا ہے۔یورپین یونین سے باقاعدہ نکل جانے کے بعد اس کا مستقبل کیا ہوگا؟ کنزرویٹو پارٹی کے پاس ابھی ایک کارڈ اور بھی ہے کہ چند ماہ بعد عام انتخابات کا اعلان کر کے پارٹی کی قیادت بورس جانسن کو دے دی جائے۔جس کے بالوں کا سٹائل ہی ٹرمپ سے نہیں ملتا بلکہ سوچ کا زاویہ بھی ملتا ہے ان حالات میں برطانیہ کی عوام خصوصاً بوڑھے لوگوں کو بھی اپنی سوچ میں یہ تبدیلی لانا ہوگی کہ اب وہ وقت گزر چکا جب برطانیہ کے تاجدار کا سورج دنیا کے ایک کونے سے نکل رہا ہوتا تھا تو دوسری جانب غروب ہو رہا ہوتا تھا۔دوسروں کے وسائل پر زبردستی قبضہ کر کے ان پر دہشت گردی کے ساتھ وحشت گردی بھی کی جائے تو اس کا ردعمل آنا بھی

ایک فطری عمل ہے جس کا ذکر جرمی کوربن نے لندن برج کے سانحہ کے بعد کیا تھا۔ایک بات تو تہہ ہے کہ تھریسا مئے کے لیے حکومت کرنا ترنوالہ ثابت نہیں ہوگا۔Brexit کے ساتھ ساتھ مڈل ایسٹ اور مسلم مما لک کے ساتھ خارجہ پالیسی میں مثبت تبدیلی لائے بغیر حالات کنٹرول میں نہیں رہیں گے یہ سب کچھ اپنی جگہ لیکن تھریسا مئے نے استعفا سے انکار کر کے اپنے آپ کو برطانیہ کی ''شریف'' ثابت کردیا ہے۔

تحریر: سہیل احمد لون
سربٹن۔سرے
sohailloun@gmail.com

10-06-2017